© rasailojaraid.com

2

میری تمام سرگزشت............

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب

[شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے بارے میں اگر کہا جائے کہ وہ اس وقت برصغیر کے سب سے بڑے جلیل القدر استادِ حدیث ہیں تو مبالغہ نہیں ہوگا۔ ان کا صرف صحیح بخاری شریف پڑھانے کا عرصہ نصف صدی پر مشتمل ہے ملک اور بیرون ملک کے بڑے بڑے شیخ الحدیث آپ کے تلامذہ کے حلقے میں شامل ہیں، حضرت نے اپنی سوانح زندگی املا کرانا شروع کی ہے جسے جامعہ فاروقیہ کے فاضل اور تخصص فی الفقہ کے طالب علم مولوی شمس الحق کشمیری ضبط کر رہے ہیں، اب تک دو ڈھائی سو صفحات ہو چکے ہیں اور یوں خود حضرت کی زبان سے ان کی زندگی کی سرگزشت مرتب ہو رہی ہے، اس سرگزشت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ حضرت نے بغیر تصنع و تکلف کے زندگی کے واقعات کو ہو بہو بیان کر دیا ہے، بڑے لوگوں کی سوانح پر لکھی جانے والی کتابوں میں عموماً ایک کمی یہ پائی جاتی ہے کہ وہ بچپن ہی سے طبعی زندگی سے ماوراء منفرد دکھائے جانے لگتے ہیں، سوانح نگار غالباً عقیدت کی بنیاد پر ایسا کرتے ہیں لیکن اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ پڑھنے والا قاری ان کو فطری تقاضوں، طبعی زندگی کی الجھنوں اور گردش لیل و نہار کی ہمہ گیر جکڑ بندیوں سے آزاد دیکھ کر یہ تاثر لے لیتا ہے کہ جو جھمیلے والی زندگی میں گزار رہا ہوں اس میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنا ممکن نہیں، وہ ان کی سوانح کو قابل رشک تو سمجھ لیتا ہے، قابل تقلید نہیں............ لیکن حضرت نے اپنی اس آپ بیتی میں طبعی زندگی کے واقعات کو بغیر کسی آمیزش کے ذکر کر دیا ہے، ابتدائی تعلیم و تربیت کی تفصیلات کے ساتھ بچپن کی شوخیوں اور دلچسپیوں پر مشتمل یہ دوسری قسط نذر قارئین ہے، امید ہے کہ اسے ذوق و شوق سے پڑھا جائے گا۔ سوانح یا آپ بیتی کا فی الحال یہ نام اس ناکارہ نے علامہ اقبال کے اس مشہور شعر سے اخذ کیا ہے ۔

میں کہ مری غزل میں ہے آتش رفتہ کا سراغ　　میری تمام سرگزشت کھوئے ہوؤں کی جستجو

(مدیر)]

کبوتر بازی کا شوق: لوہاری میں ہمیں کبوتر پالنے کا بہت شوق ہوا، ہمارے گھر کے قریب عبدالحمید جولاہا رہتا تھا، اس نے کبوتر پال رکھے تھے، ہم اس کے گھر جا کر کبوتروں سے کھیلتے تھے، اور ان کو اڑایا کرتے۔ لیکن چوں کہ گھر بالکل ساتھ ساتھ تھے اور کبوتر بھی دوسرے کے تھے اس لیے گھر والوں کی طرف سے اعتراض ہوتا تھا اور ادھر عبدالحمید بھی ہماری دخل اندازی کو پسند نہیں کرتا تھا، چناں چہ ہم نے اپنے گھر سے دور اپنے ایک اسکول کے ساتھی ''مقصود'' کے گھر کبوتر پالے، وہاں ہمیں پوری آزادی تھی۔

لوہاری میں بہت لوگوں نے کبوتر پال رکھے تھے، سردار علی خان، فردوس خان، صدیق لوہار اور ہماری دکان کے ایک ملازم ''فقیرا'' نے کبوتر پال رکھے تھے ''ربُّو'' بنیے کے ہاں بھی کبوتر تھے، یہ بڑے بڑے کبوتر باز آپس میں کبوتر بازی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرطیں بھی لگایا کرتے تھے، وہاں مقابلے کا عام رواج تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان شرط لگتی تھی اور فجر کی نماز سے پہلے دونوں اپنا اپنا کبوتر اڑاتے، جس کا کبوتر بعد میں اترتا وہ جیت جاتا، ہارنے والے کا کبوتر جیتنے والے کو مل جاتا، ہم نے بھی شرط کے ساتھ کبوتر اڑانے کا سلسلہ اختیار کیا...... عجیب بات یہ ہے کہ سردار علی خان، فردوس خان اور صدیق لوہار سے بھی ہمارا مقابلہ ہوا، باقی رتُّو یا فقیرا سے مقابلہ ہوا یا نہیں؟ یہ یاد نہیں۔ صدیق لوہار (جو عمر میں ہمارے والد صاحب سے بھی بڑا تھا) سے جیتنے کا قصہ یہ ہوا کہ عصر کے بعد دونوں کے کبوتر اترے مگر صرف دو تین چکروں کے فرق سے ہمارا کبوتر جیت گیا اور صدیق والا کبوتر ہمیں مل گیا، اس جیت سے کبوتر بازوں میں بڑا شور ہوا کہ صاحب ان کے کبوتر نے صدیق کے کبوتر کو ہرا دیا، اس کا علم ہمارے والد صاحب کو بھی ہوا۔

والد صاحب کی تنبیہ: جب والد صاحب کو اس کا علم ہوا تو ان کو بڑا غصہ آیا اور خود مقصود کے گھر جا کر ہمارے جس کبوتر نے شرط جیتی تھی، لے آئے اور جو کبوتر صدیق لوہار سے جیتا تھا وہ بھی لے آئے، مغرب کے بعد ہمیں کرسی پر بٹھایا اور دونوں کبوتر ہمارے سامنے ذبح کر دیئے، یہ اتنی سخت سزا تھی جس کی کوئی انتہا نہیں، ہمیں اور کچھ نہیں کہا، لیکن ہم اپنی اس حرکت سے باز نہیں آئے اور ایک اور شرط فردوس خان کے مقابلے میں جیت لی، وہاں بھی مقابلے کا طریقہ یہ تھا کہ صبح کا اڑایا ہوا کبوتر مغرب کے قریب اترا، ہمارا کبوتر دو تین چکر بعد اترا، مقابلہ بہت سخت ہوا لیکن ہم جیت گئے، پھر شور ہوا تو والد صاحب نے ہمارے دونوں کبوتر ہمارے سامنے پکڑ کر ذبح کر دیئے، پھر تیسری شرط سردار علی خان کے مقابلے میں سخت مقابلے کے بعد جیتی، یہ کبوتر ہم تھانہ بھون سے چودہ روپے کا خرید کر لائے تھے جو بہت عمدہ تھا، اسے گھی پلاتے اور بادام کھلاتے تھے، اس طرح ہمارا شوق عروج پر پہنچا ہوا تھا، اس مرتبہ بھی والد صاحب نے ہمارے کبوتر لائے اور ذبح کر دیئے۔

جب یہ واقعات مسلسل ہوئے تو ہم نے مقصود والا مرکز تبدیل کر کے ''بھیسانی'' میں اپنے ایک اسکول کے ساتھی ذکر محمد (جس کو ذکرو، ذکرو کہتے تھے) کے گھر کبوتر پالے، بھیسانی ہمارے گھر (لوہاری) سے دو تین میل کے فاصلے پر تھا، اب ہمارا معمول تھا کہ اسکول سے جیسے ہی چھٹی ہوتی کھانا کھا کر بھیسانی کے لیے دوڑ لگاتے، ایک ہی دوڑ میں بھیسانی پہنچ جاتے، ہمارے والد اپنی دکان سے بہت دیر سے آتے تھے اس لیے ہم بھیسانی میں جا کر خوب کبوتر اڑاتے۔

اس محلے کی ساری عورتیں ہمیں اچھی طرح جانتی تھیں، اس لیے کہ کبھی ہمارا کبوتر کسی کے گھر جا کر بیٹھ گیا اس کو لینے جاتے، (تبلیغی جماعت کے مشہور بزرگ) مولوی جمشید کا گھر بھی ذکرو کے گھر کے قریب تھا، ان کے گھر بھی کبوتروں کی وجہ سے ہمارا بہت زیادہ آنا جانا ہوتا تھا، یہاں کبوتروں کے اڑانے کا شوق پورا کر کے ایک دوڑ لگاتے تو ظہر سے پہلے لوہاری پہنچ جاتے، نہ اسکول میں کسی کو پتہ چلتا کہ ہم نے دوپہر کو کیا کیا؟ اور نہ گھر والوں کو پتہ چلتا، بچے جیسے دوپہر کو کھیلتے ہیں وہ سمجھتے ہوں گے ایسے ہی محلے میں کھیل رہے ہوں گے، لیکن ہم بھیسانی جایا کرتے تھے...... بھیسانی میں ایک عجیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عادت دیکھی کہ عورتیں گھروں میں چارپائی پر بیٹھی ہوتیں، اگر اس حالت میں شوہر گھر میں داخل ہوتا تو بیوی فوراً چارپائی سے اٹھ کر نیچے زمین پر بیٹھ جاتی، یہ دیکھ کر ہمیں تعجب ہوتا تھا۔

ناظرہ قرآن کریم اور انگریزی کی تعلیم: پھر شام کو مغرب کے بعد ہم دونوں بھائیوں کو منشی اللہ بندے قرآن کریم پڑھانے آتے تھے، میرا قرآن دو تین مہینے میں ختم ہوگیا تو انگریزی شروع کرادی تھی، عبدالقیوم خان مرحوم قرآن کریم پڑھتے رہے، میں نے انگریزی کی دو تین کتابیں پڑھیں، ہمارے منشی جی کی ٹیوشن فیس فی طالب علم ایک روپیہ تھی تو دو روپیہ ماہوار ان کو ملتے تھے، مدرسہ نوریہ میں اردو، حساب پڑھانے چھ روپیہ ماہوار وہاں سے ملتا تھا۔ ایسے قانع اور زاہد آدمی تھے کہ سرکار کی طرف سے ڈاکخانے کا کام پیش کیا گیا، صرف دو گھنٹے کرنا تھا اور تنخواہ بائیس روپے تھی (یہ اس وقت کے اعتبار سے بڑی رقم تھی......) لیکن اس کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ میں روزانہ ایک قرآن کریم ختم کرتا ہوں، ڈاکخانہ کی وجہ سے وہ کام رہ جائے گا۔ جمعہ کی نماز کے لیے ایک نیا کرتا، ایک تہبند پہنتے تھے اور نماز کے بعد اس کو اتار کر، دوسرا معمولی لباس زیب تن فرما لیتے تھے، فیا سبحان اللہ! اب کہاں وہ سادگی اور قناعت اور کہاں وہ توکل اور للّٰہیت!!

مرغیوں اور بطخوں کا شوق: اسی طرح ہمیں مرغیوں اور بطخوں کے پالنے کا بھی شوق تھا اور یہ دونوں چیزیں ہمارے گھر میں بالکل برداشت نہیں کی جاتی تھیں، وہ لوگ کہتے تھے کہ بیٹ کر دیتی ہیں، گھر گندا ہوتا ہے، دوسری وجہ یہ تھی کہ اماں نے بھینسیں بھی پال رکھی تھیں، ان کے کھور میں چڑھ کر بیٹ کر دیتی ہیں، جس کی وجہ سے ان کی ساری سانی خراب ہو جاتی ہے اس لیے مرغیاں پالنے کی اجازت نہیں تھی لیکن ہم نے ننھی آپا (جو عزیز خان کی پھوپھی تھیں اور یاسین بھائی کی بہن تھیں جنھوں نے بطخیں پال رکھی تھیں) سے انڈے لیے، وہ ہمارے گھر سے ذرا دور رہتی تھیں، ہم نے انڈوں کے ساتھ ایک کڑک مرغی لے کر گھر کی دوسری منزل میں بخاری (یہ دو چھتی کی طرح گرمیوں میں لحاف وغیرہ رکھنے کے لیے استعمال ہوتی ہے) کے اندر بٹھا دی، گھر والوں میں کسی کو اس کی خبر نہ تھی، ہر تیسرے دن اس مرغی کو نکال کر پانی دے دیا کرتے تھے، پھر انڈوں پر بٹھا دیتے، بطخ کے انڈے تیس دن میں نکلتے ہیں، جب اٹھائیس دن ہو گئے تو ان میں سے کچھ انڈے گندے ہو گئے تھے، ان میں پانی ہل رہا تھا ہمیں معلوم ہو گیا کہ یہ خراب ہیں، ان کو ہم نے پھینک دیا، تین چار انڈے رہ گئے۔ جب اٹھائیس دن ہو گئے تو ہم نے یہ سوچتے ہوئے کہ بچہ تو بالکل تیار ہوگا، اس کے خود نکلنے کا انتظار کیے بغیر ہی انڈا توڑ دیا، اس میں سے جو بچہ نکلا وہ صحیح سالم اور درست حالت میں تھا، لیکن چوں کہ دو دن کا فرق تھا، اس لیے وہ مر گیا ایک دن اور گزرا تو ہم نے دو انڈے اور توڑ دیے، ان میں بھی بچے زندہ اور تیار تھے لیکن ایک دن کی کمی تھی اس لیے وہ بھی مر گئے، اب ایک انڈہ رہ گیا تھا تیس دن پورے ہونے پر وہ خود نکلا اور وہ ٹھیک تھا...... ہم نے بطخ کے بچے کو بھی لیا اور مرغی کو بھی بغل میں دبایا اور تالاب پر یہ تجربہ کرنے کے لیے گئے کہ یہ پیدا ہوتے ہی تیرتا بھی ہے یا نہیں؟ چناں چہ ہم نے پہلے مرغی کو بھرے تالاب میں پھینکا، اس کے پیچھے بچے کو پھینک دیا، اب نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مرغی بھی تیرنے لگی، ہمیں اس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا بھی ایک نیا تجربہ ہوا کہ مرغی بھی تیرتی ہے، مرغی جلدی جلدی باہر آئی، بچہ بھی اس کے پیچھے باہر آیا، ہم نے آدھ گھنٹہ یہی کھیل کھیلا۔

جب ہمارا دل بھر گیا تو ہم اماں کے پاس مرغی اور بطخ کا بچہ لائے پھر ہم نے ان کو سارا قصہ سنایا کہ آپ تو پالنے نہیں دیتیں تھیں، ہم ننھی آپا کے ہاں سے مرغی اور انڈے لائے اور مرغی کو بخاری کے اندر انڈوں پر بٹھایا تھا، ان کو بڑا تعجب ہوا، ہنس کر چپ ہوگئیں۔

اب ہمارا روز کا کھیل یہ تھا کہ چھٹی ہوتی تو ہم مرغی اور بچے کو لے جا کر تالاب میں پھینکتے تو وہ دوڑتے دوڑتے باہر آجاتے، وہ بچہ بڑا ہو گیا لیکن ہمارا کھلونا بننے کے باعث اس کے بازوں میں عیب پیدا ہو گیا اور بطخ ہونے کے باوجود پانی سے اس کو وحشت ہوتی تھی، تالاب میں ٹھیرتا ہی نہیں تھا، اب ہمیں فکر ہوئی کہ اس کا کیا کیا جائے تو ہم نے دیکھا کہ دوست محمد خان کے ہاں صرف تین بطخے تھے اور مقصود خان کے ہاں صرف تین بطخیں تھیں، بطخا نہیں تھا، بطخیں تھیں، ہم نے یہ بطخ دوست محمد خان کے بطخے سے تبدیل کر لی، انہوں نے بھی بخوشی لے لی، پھر مقصود خان کے ہاں گئے ان سے ہم نے کہا کہ بطخے کے بدلے ایک بطخ ہمیں دے دو، انہوں نے بھی بخوشی قبول کر لیا اور وہ بطخا ان کو دے دیا اس طرح ہمارے پاس ایک اچھی بطخ آگئی، وہ بطخ جو ہم نے دوست محمد خان کو دی تھی، کبھی کبھی اس کو دیکھنے کے لیے جایا کرتے تھے کہ اس کا کیا حال ہے تو دیکھا کہ وہ بہت پریشان ہیں، ان کے گھر کے قریب چھوٹا سے تالاب تھا، اس بیچاری بطخ اور دوسرے بطخوں کو پاؤں میں رسی باندھ رکھی تھی ورنہ اس کی عادت تو بھاگنے کی تھی، ان کے گھر جا کر تو ہم نے کبھی نہیں پوچھا کہ اس کا کیا حال ہے، البتہ تالاب پر جاتے تھے اس لیے کہ یہ تماشہ وہاں ہوتا تھا پھر معلوم نہیں کہ اس کا کیا ہوا؟

افزائش نسل: ہمارے ہاں جو مقصود خان کے ہاں سے بطخ آئی تھی اس نے پھر انڈے دینے شروع کیے، ہم اس کو تالاب میں چھوڑ دیتے تھے وہاں اوروں کی بطخیں بھی تھیں، پھر ہم نے اس کے بچے بھی نکلوائے اور گھر والے بھی راضی ہو گئے تھے ان کو کوئی اعتراض نہیں تھا، تو اتنی بطخیں ہوئیں کہ ایک بڑا کمرہ (جس کے چاروں طرف والد صاحب نے لوہے کی سلاخیں لگوادی تھیں) اور دو تہہ خانے تھے (ان کے دروازوں پر بھی لوہے کی سلاخیں تھیں) بھرے رہتے تھے بطخوں کے انڈے بھی بہت زیادہ ہوتے تھے، گھر میں کمرے کے دونوں جانب دو بڑے بڑے طاق تھے جو ہر وقت انڈوں سے بھرے رہتے تھے۔ ایک بڑی میز کی دو درازیں انڈوں سے بھر جاتی تھیں۔ بطخوں کے علاوہ بچے نکالنے کے لیے مرغیاں بھی پال لی تھیں اور عجیب تماشہ یہ تھا کہ جس بطخ یا مرغی کے نیچے جب میں اپنے ہاتھ سے انڈے رکھتا تھا تو جتنے بھی انڈے رکھے جاتے، چاہے وہ پندرہ ہوں یا سات آٹھ کوئی انڈہ خراب نہیں ہوتا تھا، بلکہ سب سے بچے نکلتے تھے، اس طریقے سے ہمارے گھر میں مرغیوں اور بطخوں کی فوج جمع ہوگئی۔

اس وقت ایک انڈہ ایک پیسے کا آتا تھا، ہمارے ہاں سے ایک آدمی مستقل انڈے خریدتا تھا، وہ روزانہ اپنا برتن خالی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لاتا اور بھر کر لے جاتا تھا، اس سے گھر میں آمدنی کا اچھا انتظام ہو گیا تھا، یہ پیسے ہم اماں کو دیتے تھے، اماں بھی بہت خوش ہوتی تھیں کہ سارے پیسے ان کو ملتے ہیں۔

تیراکی کا شوق: اس کے علاوہ وہاں رہتے ہوئے ہمیں تالاب میں تیرنے کا شوق ہوا تو گھر میں ہماری والدہ نے بھینسیں پالی ہوتی تھیں، کبھی ایک بھینس کبھی دو بھینسیں اور کبھی تین بھی ہو جاتیں لیکن عام طور سے دو ہوتی تھیں اور کبھی ایک رہ جاتی ، وہ چرنے کے لیے جنگل میں جایا کرتی تھیں اور دوپہر کو تالاب میں آ کر آرام کرتیں (یہ تالاب ہمارے گھر کے مشرق اور جنوب کے کنارے پر تھا، اس کو ''ڈگی'' کہتے تھے) ہم ان بھینسوں کی دم پکڑ کر تالاب میں چلے جایا کرتے (تالاب، بعض جگہوں میں کم گہرا اور بعض جگہوں میں بہت زیادہ گہرا تھا) تو ان کی دم پکڑ پکڑ کر ہم نے تیرنے کی مشق کی اور یوں ہمیں کئی طرح کا تیرنا آ گیا (چت لیٹ کر بھی تیرتے، کھڑے ہو کر بھی تیرتے، اور پٹ لیٹ کر بھی تیرتے یہ ساری قسمیں ہم نے سیکھ لیں) ہمارے محلے میں ایک آدمی تھا ''کلو'' وہ ہمارے والد صاحب سے کبھی کبھی شکایت کر دیا کرتا تھا، تو وہ ناراض ہوا کرتے، ہم نگاہ رکھتے تھے کہ کلو ادھر ادھر تو نہیں آ رہا، اگر کہیں دیکھا کہ وہ آ رہا ہے تو ہم ڈبکی لگا لیا کرتے تھے اور اس سے بہت بچتے تھے۔

بالآخر بطخیں اڑنا سیکھ گئیں: بطخوں کے سلسلے میں ایک بہت عجیب بات یہ ہوئی کہ ہم نے بطخوں کو اڑنا سکھایا، ایسا اڑنا سکھایا کہ آج تک اس پر حیرت ہوتی ہے، ہمارے گھر میں بطخ موجود ہوتی، ہم اس کو دروازے کے باہر لے کر پش کرتے تو وہیں سے وہ اڑنے لگتی، اڑ کر پورے قصبے کے اوپر چکر لگاتی اور چکر لگانے کے بعد تالاب ''ڈگی'' میں اتر جایا کرتی، یہ بھی روز کا مشغلہ تھا، ایسے ہی چھوٹی بطخوں کو ہم فخر شاہ والی مسجد سے (جہاں سے تالاب کا فاصلہ اچھا خاصا تھا) اڑانا شروع کرتے، وہ یہاں سے اڑ کر تالاب میں جایا کرتیں اور یوں باقاعدہ ان کو اڑنے کی مشق ہو گئی، تو اس طرح کبوتروں اور بطخوں کا سلسلہ ہمارا رہا اور تیرنے کا طریقہ بھی ہمیں آ گیا۔

ہمارے والد صاحب گھوڑی پالتے تھے، عمدہ اور بہترین قسم کی گھوڑی ہوتی تھی، ہمیں اس پر سوار ہونے کی اجازت نہیں تھی، لیکن وہ جب اپنی دکان پر ہوتے تو ہم اس گھوڑی کو کھول کر اس پر سواری کیا کرتے اور اس کو خوب دوڑاتے۔

ہمارے بھائی خورشید علی خان کبھی کبھی حیدرآباد سے آتے تو ہمارے والد صاحب کے ایک دوست تھے جن کا نام ''قبول سنگھ'' تھا، ان کی ایک بہت اعلیٰ درجے کی گھوڑی تھی، والد کے تعلق کی وجہ سے وہ گھوڑی دے دیا کرتے، خورشید علی خاں مرحوم قبول سنگھ کی گھوڑی پر اور ہم اپنی گھوڑی پر ہوتے، دونوں مقابلے میں کئی کئی میل ان کو دوڑایا کرتے اور دوڑاتے ہوئے کئی مرتبہ ان کے اگلے پاؤں لگام کھینچ کر کھڑے بھی کر لیا کرتے، گھوڑی سیدھی ہو جاتی اور ہم اس کی کمر پر بیٹھے رہتے، بھائی جان بھی ایسا کرتے تھے۔ گھوڑی دوڑانے کی مشق اتنی ہو گئی تھی کہ اس پر زین ہوتی تھی اور نہ کوئی اور سامان، بس لگام ڈالی اور ہم اس پر بیٹھ کر چل دیئے، کئی مرتبہ تقریباً تین میل کا فاصلہ صرف دس پندرہ منٹ میں طے کر لیا کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمارے ہاں شام کو مظفر نگر سے بس آیا کرتی تھی اس کو ''لاری'' کہتے تھے، وہاں ایک سیانیوں والا باغ تھا ہم وہاں ہوتے اور ''لاری'' اس کے بالمقابل کچے راستے پر ہوتی تھیں، تو ہم اس کے مقابلے میں گھوڑی دوڑاتے تھے اس نیت سے کہ اڈے پر ہم پہلے پہنچیں اور یہ بس بعد میں پہنچے، ہمیشہ ہم پہلے پہنچ جاتے تھے۔

جب لاری پہنچنے کا وقت ہوتا تو قرب وجوار میں جو بچے کھیل رہے ہوتے وہ لاری دیکھنے کے لیے اکٹھے ہو جاتے، ایک مرتبہ ہم گھوڑی بس کے مقابلے میں لا رہے تھے کہ ایک بچہ اس کی زد میں آ گیا اور بچہ کی ناک ٹوٹ گئی۔

اور یہ بھی ہوتا کہ اپنے گھر تک آنے کے لیے جب ہم گلیوں میں سے گزرتے تھے تو وہاں کوئی زد میں آ جاتا لیکن گھوڑی کا کمال یہ تھا کہ اس کے باندھنے کی جو جگہ تھی وہاں بہت بڑا بھاری چھپر تھا، اس کے اندر داخل ہونے کے لیے ضروری تھا کہ اس کے اوپر کوئی نہ ہو، تو گھوڑی وہاں پہنچ کر رک جاتی، ہم اتر جاتے، پھر وہ اندر داخل ہوتی۔

اس طرح ہم کسی کو اپنے پیچھے بٹھا لیتے اور پھر گھوڑی دوڑتی تو وہ بہت ڈرتا تھا، ایک مرتبہ عبدالرشید خان ہمارے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے اور گھوڑی تیز دوڑ رہی تھی، انہوں نے چلانا شروع کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گر گئے چوں کہ انہوں نے ہمیں پکڑ رکھا تھا تو ہم بھی گر گئے، لیکن گھوڑی فوراً ٹھہر گئی اور ہمیں کوئی نقصان بھی نہیں پہنچا۔

بعض دفعہ تایا ابا کے مطب میں دیہات کے لوگ اپنی گھوڑیوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر آتے، تو وہاں سے اچھا عمدہ گھوڑا کھول لیتے اور پھر خوب دوڑاتے، جب وہ بالکل پسینہ پسینہ ہو جاتا تب لا کر اس کو باندھ دیا کرتے، مالک اپنی دوا لے کر فارغ ہو کر آ کر دیکھتا کہ گھوڑا نہیں ہے تو وہ تایا ابا کے پاس آتا کہ گھوڑا نہیں، وہ ہمارا حوالہ دیتے کہ وہ لے گیا ہوگا، ابھی تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔

ایک عجیب واقعہ: بچپن میں ہم لوگ گولیوں سے کھیلا کرتے تھے اور نشانہ میرا اور مولوی عبدالقیوم خان مرحوم کا بہت صحیح بھی تھا اور پورے قصبے میں مشہور بھی تھا، کئی لوگ ہمارے ساتھ گولیاں کھیلنے آیا کرتے تھے اور ہم ان کی گولیاں سب جیت لیتے تھے، جب وہ کھیل ختم ہوتا اور ہم گھر میں داخل ہوتے تو ہماری والدہ صاحبہ وہ ساری گولیاں گھر کے کنویں میں ڈال دیا کرتی تھیں، اس سلسلے میں ایک دن عجیب واقعہ پیش آیا، ایک بڑا آدمی جو اپنی ساری گولیاں ہار چکا تھا ہارنے کے صدمے میں وہ مشتعل ہو گیا، ہم تو چھوٹے چھوٹے بچے تھے، وہ بڑی عمر کا آدمی تھا، غصہ میں اس نے ہم پر حملہ کیا اور مارنا چاہا، ہمارے والد صاحب نے ایک کتا پال رکھا تھا جو بہت چھوٹے قد کا سفید رنگ کا جنبرا (بالوں) والا تھا، اس نے جب یہ دیکھا کہ یہ شخص ہمیں مارنا چاہتا ہے تو اس نے جست لگائی اور اس کے گلے پر پہنچ گیا، وہ شخص حواس باختہ ہو کر بھاگا اور ہمیں تحفظ حاصل ہو گیا۔

(جاری ہے............)

© rasailojaraid.com